عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

محرم ۱۴۳۷ھ/ نومبر ۲۰۱۵ء

Reg No. P476

جلد: چاردھم

شمارہ: 3

فھرست

فی شمارہ : -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک : -/200 روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای-میل : physiologist72@hotmail.com
saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ : www.darwaish.org

رسالہ جاری کروانے اور بذریعہ موبائل ترسیلِ زر کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں 0313 979 2537

تمام گزشتہ شمارے ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

دلوں کے بادشاہ

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

وفاتِ حسرت آیات

۱۔ جناب حضرت ڈاکٹر مولانا شیر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ جناب پیر عبدالحئ صاحب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ (گیروال مانسہرہ، ہزارہ)

ایک ملکوں کے بادشاہ ہوتے ہیں، ایک دلوں کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ ملکوں کے بادشاہوں کے بارے میں پہلے بزرگوں نے کہا ہوا ہے کہ دو بادشاہ در اقلیمے نمے گنجند یعنی دو بادشاہ ایک براعظم میں نہیں سما سکتے۔ جبکہ دلوں کے بادشاہ یعنی اللہ والوں کے بارے میں علامہ اقبال مرحوم نے کہا:

چہ عجب اگر دو سلطاں بولایتے نہ گنجند

عجب ایں کہ میں نہ گنجد بہ دو عالمے فقیری

(ترجمہ) اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ دو بادشاہ ایک ملک میں نہیں سماتے۔ تعجب تو اس پر ہے کہ اللہ کے تعلق والا ایک فقیر دونوں جہانوں میں نہیں سماتا۔

دلوں کے بادشاہ تو اللہ والے ہوتے ہیں۔ ایسے بادشاہوں میں ہمارے بزرگ حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ بندہ کی ان سے ملاقات آج سے چالیس سال پہلے ۱۳۹۶ھ بمطابق ۱۹۷۵ء میں مدینہ منورہ میں ہوئی جب ان کا قیام مدینہ یونیورسٹی میں تھا۔ بندہ اپنے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھا، ان سے ملاقات کے لئے آنے

والوں میں حضرت شاہ صاحبؒ بھی تھے۔ حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تعارف کروایا کہ اکوڑہ خٹک کے رہنے والے ہیں، دارالعلوم حقانیہ کے فاضل ہیں اور آج کل مدینہ یونیورسٹی میں ہیں۔ یہ بات زیرِ بحث آئی کہ بہت قابل شخصیت ہیں اور مدینہ یونیورسٹی کی فضا میں انھوں نے فقہ حنفی کی ایسی ترجمانی کی ہے کہ ساری یونیورسٹی پر چھائے ہوئے ہیں اور خوب دھاک بٹھائی ہوئی ہے۔

مدینہ منورہ سے واپسی پر اور اسلامیات میں پی ایچ ڈی کرنے کے باوجود کسی دنیاوی یونیورسٹی کا رُخ نہیں کیا حالانکہ بہت زیادہ معاوضہ مل سکتا تھا اور گریڈ اِکیس تک جا سکتے تھے۔ بجائے اس کے اپنے آپ کو دارالعلوم حقانیہ میں تدریس (پڑھانا) کے لئے وقف کر دیا اور اڑتیس (۳۸) سال تدریس کر کے ہزاروں علما تیار کر کے ملتِ اسلامیہ کا حصہ بنائے۔ اتنے علم و فضل کے ساتھ بے انتہا سادگی اور مثالی تواضع کا نمونہ تھے۔ ۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ بمطابق یکم مئی ۲۰۰۹ء بروز جمعہ بندہ کی خانقاہ کا افتتاح حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور بیان کیا۔ جس موضوع کو بھی لیتے تھے ایسا بیان فرماتے تھے کہ عقل و دانش والوں کو مبہوط کر دیتے تھے اور علم و معرفت والوں کو مسرور کر دیتے تھے۔ عوام، طلبا، علما، صوفیا، جہاد کے میدانوں میں برسرِ پیکار مجاہدین اور دیگر دینی تحریکیں، سب کی حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے وابستگی تھی اور سب کی مشفقانہ سرپرستی فرماتے تھے۔

جنازہ میں بندہ کی حاضری ہوئی۔ دوسری طرف سے پانچ کلومیٹر تک ٹریفک جام تھی، جس طرف سے ہم شامل ہوئے ڈیڑھ کلومیٹر دور گاڑی کھڑی کرنی پڑی کیونکہ آگے گاڑی لے جانے کے حالات نہیں تھے۔ باقی فاصلہ پیدل طے کر کے جنازہ گاہ تک پہنچے۔ جنازے کی صف ایک کلومیٹر سے زیادہ طویل تھی۔ محتاط اندازے کے مطابق دو ہزار کے قریب گاڑیاں اور دو لاکھ کے قریب مجمع تھا۔ ایسے مجمع کو اخباری اطلاعات میں چھ، سات لاکھ لکھتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جنت میں درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے۔

جناب پیر عبدالحئ صاحب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

جناب حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے سے تھک تھکا کر ہفتے کے دن واپسی ہوئی تھی کہ اتوار کی صبح بندہ کے استادِ محترم جناب حضرت پیر عبدالحئ صاحب کی وفات کی اطلاع پہنچ گئی۔ صحت تو جانے کی اجازت نہیں دیتی تھی لیکن تعلق ایسے تھا کہ مرتے مرتے بھی اگر پہنچنے کے حالات ہوتے تو بھی جانا تھا۔ صبح سویرے روانگی ہوئی۔ اتوار کے دن کی وجہ سے آسانی سے جنازے تک پہنچ گئے۔ گزشتہ اٹھاون سالوں میں میری معلومات میں اتنا بڑا جنازہ ہمارے علاقے میں کبھی نہیں ہوا۔ عوام اور گاڑیوں نے شاہراہِ ریشم کو بلاک کر دیا تھا۔ گزرنے والی فوجی کانوائے کو بھی راستہ نہ مل سکا۔ فوج والوں کو پتہ چلا کہ فوجی قوت بھی زبردست چیز ہے لیکن عوامی قوت بھی ایسی عجیب چیز ہے کہ سب کو بے بس کر دیتی ہے۔ بہت مشکل سے ان کے کانوائے کے لئے راستہ بنایا گیا کیونکہ کانوائے کو روکنے سے ان کے لئے مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔

ان کی وفات سے دس دن پہلے بندہ کی ملاقات ہوئی۔ خوب ہشاش بشاش، حسبِ معمول علم و معرفت اور اصلاحی مضامین کے دریا انتہائی خوشگوار لطائف و ظرائف کی شکل میں بہا رہے تھے۔ بندہ کے بیٹے حافظ ڈاکٹر وقار صاحب بھی ساتھ تھے۔ ان سے ایک رکوع سنا۔ مجھے بھی ہمت ہوئی، میں نے مولانا جامی کی نعت

اگر نامِ محمد را نیاوردے شفیع آدم

نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجّینا

پڑھ کر سنائی۔ چند دن پہلے حضرتؒ کے داماد اور روحانی جانشین جناب پیر حبیب الرحمان صاحب نقشبندی کی وفات ہو گئی تھی۔ ان کی تعزیت کی۔ جناب عبدالحئ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حبیب الرحمان کی عجیب قسمت تھی، بیٹا طائف میں ملازم تھا، اس نے اسے وزٹ ویزا پر بلایا، اللہ تعالیٰ نے کئی عمرے کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور وہیں کی وفات نصیب فرمائی۔ بیت اللہ

شریف کے سامنے امامِ کعبہ نے جنازہ پڑھا اور مقبرۂ شہدائے حرم میں ۱۰۶ نمبر قبر میں دفن ہو گئے۔

حضرت پیر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے سامنے ہمارے گاؤں میں بطورِ سکول ٹیچر آئے۔ محلّہ گیروال کی مسجد کو تالا لگا ہوتا تھا۔ اذان اور جماعت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس مسجد کو آپ نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آباد کیا۔ مقامی مختلف خیالات کے لوگوں کے اختلافات کو ختم کیا۔ اتنا عرصہ پہلے کے دور میں مسجد کے کنویں کو درست کیا اور پورے گاؤں کو پائپوں میں صاف پانی سپلائی کیا۔ یہ ایک ایسا کارنامہ تھا کہ اس وقت کے ایم این اے، ایم پی اے بلکہ وزراء تک نہیں کر سکے تھے۔ ان کا یہ صدقۂ جاریہ ابھی تک جاری وساری ہے۔ اللہ نے ایسی خوش الحانی نصیب فرمائی تھی کہ نماز اور بیان میں جب آیات پڑھتے تھے تو دلوں کو ہلا کے رکھ دیتے تھے۔ بدن کا رواں رواں احساس شروع کر دیتا تھا۔ نقشبندیہ سلسلے کے کامل شیخ تھے۔ ہزاروں لوگ فیض یاب ہوئے۔ بندہ کو ان کی ذکر اور توجہ کی مجالس میں شریک ہونے کی توفیق ہوئی۔ ہماری طرح اناڑی آدمی بھی قلب وروح پر اثرات واضح محسوس کرتا تھا۔ بندہ کے دوست ڈسٹرکٹ میڈیکل سپیشلسٹ ڈاکٹر عبدالرشید صاحب کہا کرتے تھے کہ میں بہت سے پیر صاحبان اور روحانی حضرات سے ملا ہوں۔ علم، معرفت اور روحانیت تو سب کے ہاں ہوتی ہے لیکن جتنی فہم وفراست، بیداری اور انسان کی ساری ضروریات ومفادات کا جو احساس اور بندوبست حضرت مولانا اشرف صاحب اور پیر عبدالحیٔ صاحب کے ہاں ہے، کم ہی دوسری جگہوں پر ہوتا ہے۔

حسرت ہے کہ ان کے بننے والے دو جانشین یعنی ان کے داماد حاجی حبیب الرحمان صاحب اور صاحبزادے مولانا حافظ عبدالرشید صاحب ان کی زندگی میں ہی وفات پا گئے۔ اب اللہ تعالیٰ صاحبزادہ مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب کو توفیق بخشے کہ ان کی ذمہ داریوں کو سنبھالیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیچھے خلفاء کی اچھی خاصی تعداد چھوڑ کر رخصت ہوئے جو ان کے سلسلے کو جاری وساری رکھے گی۔

ملفوظاتِ شیخ۔ ڈاکٹر فدامحمد صاحب دامت برکاتہ (قسط ۷۲)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)

پاکستان رورل ڈیولپمنٹ اکیڈمی کی ایک بحث:

یہ اکیڈمی پاکستان کے مرکزی اور صوبائی افسروں کی ٹریننگ کا ادارہ ہے۔ ساتھ ہی ہمارے معاشرے کے مختلف مسائل پر اہلِ علم و دانش کے سیمینار بھی منعقد کرتا ہے۔ بندہ کو بھی ان سیمیناروں میں شامل ہونے کے لئے بلایا جاتا ہے۔ اس کا ایک شعبہ Gender خواتین کے حقوق کے بارے میں بحث کیا کرتا ہے۔ اس میں قدیم علما اور جدید خواتین کا آمنا سامنا ہوتا ہے، خوب دھواں دار بحثیں ہوتی ہیں۔ مجھے قدیم اور جدید کے تنازعوں میں بیچوں بیچ کوئی راستہ نکالنا ہوتا ہے۔ ذیل کی تحریر بھی اسی طرح کی ایک کوشش ہے۔ اہلِ علم اس کو تولیں۔ درست ہو تو اللہ کا فضل ہے، خطا ہو تو اللہ بندہ کو معاف کرے۔ عورتوں نے سوال کیا: ''عجیب ہے شریعت نے عورتوں کو نَـاقِصُ الْعَقْلِ وَالـدِّیْـنِ قرار دیا ہے؟'' اس پر ایک عورت بولی کہ یہ حدیث میں نے بخاری شریف میں پڑھی ہوئی ہے۔ اب بات اور سخت ہوگئی۔ علما جواب دیتے رہے لیکن عورتیں مطمئن نہ ہوئیں۔ بندہ کو ثالثی بیان دینے کے لئے کہا گیا۔ فوری طور پر یہی مضمون قلب پر وارد ہوا جو میں نے بول لیا۔ اللہ کا احسان کہ سب عورتوں نے امنا و صدقنا کہہ کر تسلیم کرلیا۔

ہر زبان کا اپنا روزمرہ، محاورہ اور طرز ہوتا ہے۔ کوئی لفظ ایک زبان میں جس مفہوم کے لئے استعمال ہوتا ہے وہ بعض اوقات دوسری زبان میں اس سے جدا مفہوم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ''ناقص'' عربی میں ''ادھوری چیز'' یا ''ادھورے عمل'' کے لئے زیرِ استعمال ہے جبکہ اردو میں بے کار، نکمی اور گھٹیا چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ کوئی آدمی اگر نمازِ وتر پڑھتے ہوئے دعائے قنوت بھول جائے اور سلام پھیر دے تو کہیں گے کہ اس کی نماز ادائے ناقص ہے، اگر عشاء کا

وقت ختم نہیں ہوا تو اس کو دوبارہ پڑھ لے، اگر عشاء کا وقت ختم ہو گیا تو اب دہرائے گا نہیں بلکہ یہ نماز ادا اور قبول ہو گئی، لیکن ادائے ناقص ہے۔

عورتوں کا ناقص دین مثلاً کچھ دنوں میں نماز نہیں پڑھ سکتیں، روزے نہیں رکھ سکتیں، لہٰذا ان کا یہ ادھورا دین ہی شریعت نے قبول کر کے ان کو سہولت فراہم کی ہوئی ہے۔

ایسے ہی پردے کے احکامات اور عورتوں کی حمل، زچگی، بچوں کی پرورش کی مجبوریوں کی وجہ سے انھیں معاشرے میں زیادہ چلنے پھرنے کا موقع نہیں ملتا جس کی وجہ سے ان کی معلومات اور تجربہ ادھورا رہ جاتا ہے۔ اس لئے ان کے سارے معاملات میں ان کے خاوند، اہلِ خانہ اور پورا معاشرہ اس چیز کو پیشِ نظر رکھ کر عورتوں پر ذمہ داری ڈالے اور ان سے توقعات وابستہ کرے۔ اس طرح شریعت نے عقل کے بارے میں بھی عورت کو بہت سہولت اور رعایت دی ہوئی ہے۔

ایک جامع دعا:

فرمایا کہ ایک مولوی صاحب ہمارے مہمان ہوئے، انھوں نے قصہ سنایا کہ ہمارے اکابرین دیوبند جب انگریزوں کی قید میں جزیرہ مالٹا بحیرۂ روم کی جیل میں تھے تو وہاں اور بھی مختلف گرفتار شدہ علماء قید تھے۔ ان میں ایک ترکیہ کے شیخ الحدیث عالم بھی تھے۔ سارے اللہ والے لوگ تھے۔ جب یہ تہجد کو اُٹھتے تو ترکی عالم تہجد کی نماز پڑھنے کے بعد ذِکراذکار کر کے دعا مانگتے ہوئے ایک ترکی شعر پڑھتے اور شعر پڑھ کر بہت زیادہ روتے تھے۔ ہمارے حضرات نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہوتا ہے کہ یہ ایک شعر پڑھ کر آپ اتنا روتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ اس طرح ہوا کہ میں تھا اور ایک گڈریا تھا، رمضان کا مہینہ تھا، ہم دونوں کو اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر دکھائی۔ میں نے دعا مانگی کہ یا اللہ! مجھے حدیث کا عالم بنا اور استاذ حدیث بنا کہ تیرے دین کی خدمت کروں۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کر لی، میں عالم بنا، دین پڑھا، پڑھایا، سکھایا۔ وہ گڈریا جو میرے ساتھ تھا اس نے دعا مانگی: یا اللہ! میں تجھ سے خاتمہ بالایمان مانگتا ہوں۔ اب میں ذکراذکار کے بعد دعا مانگنے لگتا ہوں تو مجھے وہ

گذر رہا یاد آتا ہے اور یہ جو میں روتا ہوں، چیختا ہوں وہ یہ بات ہوتی ہے کہ یا اللہ! اس نے ایک جملے میں سب کچھ مانگ لیا اور ہم نے اتنی محنت کی علم حاصل کیا، پڑھا رہے ہیں، سکھا رہے ہیں اور خاتمہ بالایمان کے بارے میں کچھ پتہ ہی نہیں چلتا، اس بات پر روتا ہوں۔

معبود اور عبد:

فرمایا کہ ہم تو آپ کو ایک موٹی سی بات کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بات توحید سے شروع کرتے ہیں اور اس کو زندہ کرنے کے بعد گاڑی آگے چلتی ہے، بنیاد بنتی ہے اور پھر اس کے اوپر عمارت بنتی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے یقین کو درست کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یقین درست کرنے کیلئے پہلی دعوت **لا الٰہ الا اللّٰہ** کی ہے کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے۔ معبود کسے کہتے ہیں؟ جس کی انتہائی عظمت کی وجہ سے اس کے آگے انتہائی ذلت اختیار کی جائے، انتہائی عاجزی اختیار کی جائے۔ انتہائی عاجزی آدمی کب اختیار کرتا ہے؟ جب اس کی انتہائی محتاجی ہوتی ہے۔ اس کو پتہ ہوتا ہے کہ مجھے سارے منافع یہیں سے ملنے ہیں اور سارے نقصانات سے بچنے کے یہیں پر حالات ہیں، میں محتاجی کی وجہ سے جو پھنسا ہوں تو یہیں سے میری ضرورت پوری ہونی ہے، مسئلہ حل ہونا ہے، یہیں سے میرے سارے کاموں کا بننا ہے، یہیں سے سارا بگاڑ آسکتا ہے، لہٰذا وہاں پر آدمی وابستگی اختیار کرتا ہے اور وابستگی کے لئے آدمی کوششیں کرتا ہے، خوشامدیں کرتا ہے۔

ہمارے حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ عربی کے پروفیسر تھے، فرماتے تھے کہ عبد کا مطلب ہے بندہ ہونا اور غلام ہونا۔ غلام کیا ہے؟ ایک آدمی نے جس کو خریدا ہوا ہو اور جس کی اپنی کوئی مرضی ہی نہ ہو، بھیڑ بکری کی طرح دوسرے آدمی کے ہاتھ بیچا جا سکتا ہو۔ معبود اور عبد کے اس تعلق کو سمجھنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کی انتہائی عظمت کی وجہ سے اس کے آگے انتہائی عاجزی اور ذلت اختیار کرنا توحید کی تکمیل ہے۔ جب قلب سے شرک کا اخراج نہیں ہوا اور توحید اس میں نہیں ہے تو اس کے پاس چاہے اعمال کے انبار ہوں، اس کا دوزخ سے چھٹکارا اور جنت میں داخلہ نہیں ہے۔

قرض کی ادائیگی کی اہمیت:

فرمایا کہ کتاب ہے ارواحِ ثلاثہ، اس میں لکھا ہے کہ ایک نواب صاحب آئے، انھوں نے تھانہ بھون کی خانقاہ میں حضرات سے کہا کہ آپ کی دعوت ہے، ہمارے ہاں کھانا کھالیں۔ ایک دو حضرات نے قبول کر لیا کہ ٹھیک ہے ہمارے ذاکر شاغل بزرگ ہیں اور سلسلے میں مرید ہیں اور حلال روزی والے ہیں تو ان کی دعوت قبول کرنی چاہئے۔ حضرت شیخ محمد تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے فقہی علم اور گہری نظر والے تھے۔ انھوں نے کہا کہ حضرت ان کی دعوت قبول کرنا مکروہ ہے۔ پوچھا وہ کیسے؟ کہا یہ تو مقروض ہیں، پہلے اپنا قرضہ تو ادا کریں۔ ان کے پاس جو بھی چیز پہنچتی ہے اس سے پہلے قرضہ ادا کریں اور قرضے سے فارغ ہو جائیں تو پھر مستحب کام کریں۔ پہلے اس چیز کو پورا کریں جو واجب ہے یعنی ادائیگیٔ قرض۔ لہٰذا ان کا دعوت کرنا مکروہ ہے۔

پہچان نہ ہو تو رویہ مختلف ہوتا ہے:

فرمایا کہ انسان جو مان نہیں رہا اور عمل پر نہیں آ رہا، اس کی دو وجہیں میں آپ سے عرض کروں۔ ایک اللہ کی پہچان کا نہ ہونا اور دوسرے عادت کا نہ ہونا۔ پہچان اور عادت یہ دونوں زبردست قوتیں ہیں۔ ہم مختلف محکموں میں کام کرتے ہیں۔ کوئی آدمی آجائے اور سخت کڑوی کسیلی باتیں مجھ سے کرنے لگے تو میں کہوں گا کہ یہ کون آگیا ہے؟ وہ کچھ دیر کے بعد کہے کہ آپ کے محکمے کا سیکریٹری ہوں تو فوراً میرے رویے میں تبدیلی آجائے گی کیونکہ اب میں نے پہچان لیا اور پہچاننے کے دفعتاً بعد اس کے ساتھ متعلق مفاد اور مضرتیں، یعنی وہ کیا فائدے ہیں جو اس سے مل سکتے ہیں اور وہ کیا ضرر ہیں جو وہ پہنچا سکتا ہے، وہ کیا فائدے ہیں جو کہ وہ روک سکتا ہے اور وہ کیا مضرتیں ہیں جن کو ہٹا سکتا ہے، یہ باتیں فوراً آدمی کے سامنے آجاتی ہیں۔ تو اب تک جو یہ اس کی کڑوی کسیلی باتوں کا روکھا جواب دے رہا تھا فوراً نرم پڑ جائے گا، مسکراتے ہوئے باتیں کرنے لگ جائے گا کیونکہ اس سے کیا مل سکتا ہے اور کیا رُک سکتا ہے، سارا کچھ اس کے سامنے آگیا گویا پہچان اس کے سامنے

آ گئی، جس نے اس کو اس کا مطیع اور تابعدار بنا دیا۔ دوکاندار کے پاس ایک گاہک آ کر کھڑا ہوتا ہے کہتا ہے کہ فلانی چیز ہے جی؟ تو اس کو دیکھ کر کہتا ہے کہ نہیں ہے اگرچہ وہ ہوتی ہے۔ دوسرا گاہک آ کر کھڑا ہوتا ہے تو یہ کہتا ہے آئیں جی، تشریف لائیں جی، جلدی کرو حاجی صاحب کو بوتل پلاؤ، وغیرہ۔ ان دوکانداروں کو دوکان پر بیٹھ کر کشف ہوتا ہے۔ شہر والوں سے پوچھو نا کہ حاجی صاحب اس پہلے آدمی کو آپ نے فوراً نکال دیا اور دوسرے کی آؤ بھگت کی، تو دوکاندار بتائے گا کہ پہلا گاہک خالصے والا تھا، خالصہ یہاں پشاور کا ایک علاقہ ہے، یہ آدھا گھنٹہ میرا مغز کھائے گا، پچاس روپے کا سودا لے گا اور میرے چار گاہکوں کو بھی خفا کر کے جائے گا، دوسرے آدمی کی جیب میں پانچ ہزار روپے ہیں اور وہ آسیہ گیٹ کا فلانا آدمی ہے، اس نے دو باتیں کرنی ہیں اور اس پانچ ہزار روپے کا سودا خریدنا ہے، جس میں ۵۰۷ روپے ہمارا فائدہ ہے، تو ہم خالصے والے پر کیوں اپنا وقت ضائع کریں۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی پہچان بھی ہے۔ پہچان کے بعد بالکل وہی بات ہے جو میں ابھی بیان کر لی۔

جہاں تک عادت کا تعلق ہے تو یہ ایک ایسی قوت ہے جو انسان کے عمل کی بنیاد بن جاتی ہے۔ اس عمل کو انسان کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جس کا وہ عادی ہو گیا ہو۔ پہلے دن جب آدمی سگریٹ کا کش لگاتا ہے یا نسوار کی چٹکی منہ میں ڈالتا ہے تو اس کو اس میں کوئی لطف نہیں آتا، سر چکراتا ہے، سر میں درد ہوتا ہے، قے آتی ہے، لیکن جب اس عمل کو آدمی کئی بار دہراتا ہے تو اسی میں اس کو لطف و سرور (Euphoria) حاصل ہونا شروع ہو جاتا ہے جبکہ پہلے دن یہ بات نہیں تھی۔ یہ کیسے ہوا؟ یہ عادت کی قوت کا کارنامہ ہے۔ اب تو اس کا ترک کرنا اس کے لئے مشکل ہو رہا ہے، اور اس کے کرنے کے لئے طبیعت کو کشش ہوتی ہے۔ ایسے ہی ہم اگر اپنے اوپر جبر کر کے اپنے آپ کو نیک اعمال کا عادی بنا دیں تو جب سگریٹ اور نسوار کی طرح گندی چیز عادت بن کر کشش کا ذریعہ بن سکتی ہے تو کیا نیک اعمال عادت کی وجہ سے کشش کا ذریعہ نہیں بنیں گے! اسی لئے بزرگوں نے کہا ہے کہ ریاکاری سے بھی اگر نیک عمل کیا جائے تو وہ عادت بن جاتا ہے اور جب عادت میں اخلاص پیدا

ہو جائے تو یہی، ریا کاری کے ذریعے حاصل شدہ، عادت عبادت بن جائے گی۔

آدھا تصوف تو یہی ہے کہ سالک اپنے آپ کو ناقص سمجھتا رہے:

فرمایا کہ جس وقت آدمی فقط نیت کرتا ہے کہ میں اپنی اصلاح کیلئے بیعت ہونا چاہتا ہوں تو اس نے مان لیا کہ میں ناقص ہوں، میری اصلاح نہیں ہوئی اور میں اصلاح کروانا چاہتا ہوں۔ یہ اتنی عظیم نیت ہے جس کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ یعنی اس بات کو تسلیم کرنا کہ میں ناقص ہوں، میری اصلاح نہیں ہوئی۔ تو بھائی میرے آدھا تصوف تو یہی ہے۔ ڈاکٹر صاحبان جو سامنے بیٹھے ہیں جانتے ہیں کہ تشخیص ہی تو اصل ڈاکٹری ہے، مثلاً ڈاکٹر تشخیص کر کے بتادے کہ ٹی بی کا مریض ہے تو گاؤں میں بیٹھا ہوا کمپاؤنڈر بھی بتا سکتا ہے کہ اس کے لئے یہ چار دوائیاں شروع کرادی جائیں۔ تشخیص ہی تو مشکل ہے۔ کہتے ہیں کہ باطنی امراض کی تشخیص مشکل ہوتی ہے۔ ہماری جو سلسلے کی کتاب ہے دو جلدوں میں تربیت السالک تو اس میں لوگوں نے اپنا ایک ایک عمل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو لکھا ہے، کہ فلاں عمل میں میں نے یہ رویّہ اختیار کرلیا، اس میں آپ تشخیص فرمائیں کہ میرے اندر تکبّر ہے کہ نہیں ہے۔ ایک استاذ صاحب نے لکھا کہ بچے نے سبق پڑھا ہوا نہیں ہوتا تو مجھے غصہ آتا ہے، میں اس کی پٹائی کرتا ہوں، پٹائی کے بعد مجھے بڑا افسوس ہوتا ہے، میں معافی مانگتا ہوں، اس کو راضی کرتا ہوں پھر اس کو رخصت کرتا ہوں، تو یہ جو مجھے غصہ آتا ہے اس کے بارے لکھ رہا ہوں کہ آیا یہ کبر کے شعبے سے تو نہیں ہے۔ حضرت تھانویؒ نے آگے جواب دیا ہے۔ ان جوابات کو تو تربیت السالک سے ہی پڑھنا چاہئے۔ میں آپ کی دلچسپی کے لئے جواب بتا دیتا ہوں۔ استاد کو جواب دیا کہ غصے کی حالت میں نہیں مارنا چاہئے۔ غصہ زائل ہونے کے بعد سوچنا چاہئے کہ تربیت کے لئے کتنی سزا دینی چاہئے۔ اس فیصلے کے بعد نیت کر کے تربیت کی خاطر اُتنی ہی سزا ہونی چاہئے۔ جذبات میں سزا دینا درست نہیں اور بعد میں اس طالب علم سے معافی مانگنا کلاس کے نظم وضبط اور اس طالب علم کی وجہ سے مفید نہیں۔

اپنی اصلاح کے لئے جب اپنے باطن کی طرف آدمی کا دھیان ہوتا ہے تو اسے نظر آتا ہے کہ میرے اعمال میں کہاں کمی ہے، کہاں کوتاہی ہے، کہاں مجھے اصلاح کی ضرورت ہے۔ پہلے لوگ اس کے لئے فکر مند ہوتے تھے کہ میری باطنی اصلاح ہو، میرے اندر سے گندگیاں نکلیں اور میرا باطن اللہ کے تعلق، اللہ کی محبت اور جنابِ رسول اللہ ﷺ کی محبت سے آراستہ ہو اور موت سے پہلے پہلے مجھے اصلاحِ تام حاصل ہو جائے۔ اس کے لئے قربانیاں دیتے تھے اور اس بات کو لے کر جاتے تھے کہ ہم اپنے آپ کو حوالے کرنے جا رہے ہیں۔ اپنے آپ کو حوالے کرنے کے بعد تخت پر بیٹھنے کا حکم ہوا تو تخت پر بیٹھیں گے اور اگر جان دینے کے لئے کہا تو جان دیں گے، گندگی اور گوہ کے ٹوکرے اُٹھانے کو کہا تو گندگی کے ٹوکرے اُٹھائیں گے لیکن یہ کہ اپنے آپ کو بنا سنوار کر آئیں گے، اور سال ہا سال تک بڑی حیثیت کے لوگوں نے گوہ کے ٹوکرے اُٹھائے ہیں۔ آج کل تو ہر چیز میں انحطاط اور آسانی ہے اس لئے آتے ہی ذِکر اذکار شروع کرا دیئے جاتے ہیں ورنہ ذِکر اذکار سے پہلے ایک پورے مجاہدے سے گزار کر آدمی کو کبر، حسد، لالچ، کینہ، رِیا سے خالی کیا جاتا تھا اور باطن کو تواضع، ہمدردی، خیر خواہی سے متصف کیا جاتا تھا۔ معاملات کی ایک ایک بات کو درست کرتے تھے۔ پھر ذِکر اذکار بتائے جاتے تھے۔

جب روزی حلال نہیں ہو گی تو اللہ کا تعلق پیدا نہیں ہو گا:

فرمایا کہ ایک کتاب میں واقعہ لکھا ہوا ہے کہ غالباً ایک عالم کی وفات ہو رہی تھی تو ان کے ساتھ باقی علمائے کرام بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ جوں ہی ان کی وفات ہوئی تو ایک عالم اُٹھے اور چراغ بجھا دیا۔ باقی حضرات حیران کہ یا اللہ! اب تو چراغ کی ضرورت ہے کہ آدمی کی موت ہو گئی، کفن دفن وغیرہ سارے کام کرنے ہیں اور یہ انھیں کیا سوجھی کہ چراغ بجھا دیا۔ پوچھا آپ نے چراغ کیوں بجھایا ہے؟ کہا چراغ تو اب وارثوں کا ہو گیا ہے، مالک تو مر گیا، اب تو میراث کی تقسیم ہو گی اور وارثوں کی اجازت ہو گی تب چراغ جلا سکیں گے۔ اب کوئی چراغ جلانا چاہے تو اپنے پیسوں سے

جلائے۔ سب نے کہا واقعی اتنی گہری بات کی طرف نگاہ کا جانا ہم سے نہ ہو سکا کہ یہ مال تو اب وارثوں کا ہے۔

میں نے میراث کا یہ مسئلہ بیان کیا تو ہمارے ایک ڈاکٹر صاحب آئے ہوئے تھے، انھوں نے کہا کہ جی ہمارے خاندان میں تو سارے علماء ہیں، بعضے مفتی بھی ہیں، ہمارے گھر میں تو یہ باتیں نہیں ہوتیں۔ لوگ فتویٰ پوچھتے ہیں، لوگوں کو لکھ کر بھیج دیتے ہیں۔ میں نے کہا برخوردار! یہ وہ علم ہے جس کا علماءِ کرام کے گھروں میں بھی تذکرہ نہیں ہے، عوام کے ہاں کیا ہوگا۔ آپ بھی ابھی اسی بات کا ثبوت دے رہے ہیں۔ صوابی کے علاقے سے ہمارے ایک ڈاکٹر صاحب آئے تو انھوں نے کہا کہ آپ کی باتیں ہم نے وہاں پر کیں تو وہاں ایک فارغ التحصیل عالم تھے جو قانون کو بھی پڑھے ہوئے تھے وہ کہنے لگے کہ خیر یہ بیٹیوں کو میراث تقسیم کر کے حصہ دینا ضروری نہیں۔ پٹھانوں میں ساری عمر عورتیں آتی جاتی ہیں تو ان کو کھلانا پلانا آدمی کرتا رہتا ہے جسے پشتو میں کہتے ہیں ''ٹول عمر پالنہ کوی'' (ساری عمر ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں) تو اس لئے اس کو میراث کا حصہ دینا کوئی ضروری تو نہیں ہوتا۔ جب علماء کا ہی فہم نہ رہا تو عوام بیچارے کیا کریں گے۔ جتنا 'پالنہ' کر رہے ہیں آپ وہ تو مستحب ہے۔ اس پر مستحب کا ثواب آپ کو ملے گا لیکن وہ جو میراث کا حصہ آپ نے اس کا نہیں دیا وہ تو فرض ترک ہوا ہے۔ اس کے بغیر تو روزی حلال ہی نہیں ہوگی۔ اور روزی حلال نہیں ہوگی تو اللہ کا تعلق پیدا نہیں ہوگا۔ اور پھر جو اس سے آگے موتیں ہو جاتی ہیں پھر میراث در میراث در میراث، آٹھ دس واسطے اور پشتیں بن جاتی ہیں۔ آپ کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ مال کس کا تھا؟ اب آپ تقسیم بھی کرنا چاہیں تو سب تک پہنچا نہیں سکتے۔ تو اس لئے یہ ضروری اور فرض واجب ہے کہ دین کو درست کرنے کے لئے میراث کی فوری تقسیم کرنی چاہئے۔

اپنے آپ کو ہر وقت ناقص سمجھیں اور سب سے گھٹیا سمجھیں لیکن جس وقت کوئی آپ پر الزام لگا رہا ہو تو اس وقت آدمی کے ذمے شریعت

کا حکم ہے کہ واضح ثبوت پیش کر کے اپنے آپ کو بَری کریں:

فرمایا کہ یہ ۱۹۷۳ء کا واقعہ ہے۔ ہم ایک آپریشن کر رہے تھے۔ ہمارے کنسلٹنٹ سرجن نے گردے کی نالی کو آگے سے پکڑا ہوا ہے اور کھینچ رہا ہے، چونکہ بے برکت ہاتھ ہوتا ہے، جوں کھینچا تو اس کو مکمل نکال لیا۔ یہ ڈاکٹر صاحبان کو پتہ ہے کہ ureter اگر نکل جائے تو پھر اس کی سلائی کے کچھ حالات نہیں ہوتے، ٹانکا اٹکتا ہی نہیں وہاں کیونکہ ایک ایک قسم کا tissue ہے دوسرا دوسری قسم کا۔ پھر اس کو آپ kidney کے ساتھ کیسے stitch کریں گے جب مکمل نکل گیا ہو! ان کا آپس میں جوڑ ہی نہیں آتا۔ تو سرجن صاحب مجھ سے کہہ رہا ہے کہ یہ کیا کیا آپ نے! تاکہ پاس کھڑے لوگوں کو اندازہ ہو کہ پیچھے اناڑی آدمی کھڑا تھا لہٰذا یہ غلطی اس سے ہوئی ہے۔ میں نے سوچا ایسی جگہ تو اپنے آپ کو خواہ مخواہ بدنام کرنے کے لئے الزام نہیں لینا چاہئے۔ ٹھیک ہے آپ کہیں ہم ناقص ہیں، اپنے آپ کو ہر وقت ناقص سمجھیں اور سب سے گھٹیا سمجھیں لیکن جس وقت کوئی آپ پر الزام لگا رہا ہو تو اس وقت آدمی کے ذمّے شریعت کا حکم ہے کہ واضح ثبوت پیش کر کے اپنے آپ کو بَری کرے۔ خواہ مخواہ اپنے ذمّے الزام لینا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا میں نے کہا: ’’جی آگے سے تو آپ نے پکڑا ہوا تھا میں نے تو پیچھے سے پکڑا ہوا تھا۔‘‘ اس نے جو دیکھا کہ یہ تو درست اور منطقی بات کہہ رہا ہے تو خاموش ہوا، ورنہ اپنی خطا کو میرے سر تھوپ رہا تھا۔ ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ پر لوگوں نے بڑی شدید تہمت لگائی۔ مولانا صاحبؒ یہاں تبلیغی مرکز کے امیر ہوتے تھے، تہمت کے نتیجہ میں لوگ انھیں امارت سے ہٹانا چاہتے تھے۔ ہم اس کیس کو Plead کرنے کے لئے رائیونڈ گئے۔ وہاں پر زندگی وقف کئے ہوئے ایک آدمی کہتے ہیں کہ یہ کیا بزرگی ہے، ان کو تو کہنا چاہئے کہ میں اس سے بھی گھٹیا ہوں۔ یعنی جتنی مجھ پر تہمت لگا رہے ہیں، میں اس سے بھی گھٹیا ہوں۔ ہمارا بھی خیال ہوا کہ واقعی ایسا کرنا چاہئے۔ مولانا صاحبؒ نے کہا کہ ٹھیک ہے ہم اس سے بھی گھٹیا ہیں لیکن یہ جو بات کہہ رہے ہیں یا تو یہ ثابت کریں گے کہ ہم ہیں یا ہم ثابت کریں گے کہ ہم نہیں ہیں۔ اب تو شرعی مقدمہ ہے۔

(جاری ہے)

شیخ الہندؒ کا احسانی و عرفانی مقام

(مولانا ڈاکٹر محمد ظفر اقبال صاحب، کراچی)

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی زندگی اتنی ہمہ جہات اور متنوع اوصاف و کمالات سے مملو ہے کہ اگر ان کی بابرکت زندگی کے کسی ایک ہی گوشے کو موضوع بنا کر اس پر لکھا جائے تو مختلف عنوانات پر ایک ایک بسیط مقالہ تیار ہوسکتا ہے۔ اس حقیقت کے برعکس یہ بات بھی بہت قابل مشاہدہ ہے کہ آزادیٔ ہند کی مختلف تحریکات میں قائدانہ اور جاں فروشانہ شمولیت نے شیخ الہندؒ کی عظیم شخصیت کو جہاد، سیاسیات اور تحریکات میں قیادت کا استعارہ بنا دیا ہے۔ بلاشبہ شیخ الہندؒ کی میدان جہاد و تحریکات میں خدمات اس لائق ہیں کہ منصبِ امامت اور نقشِ ہدایت کے لیے برعظیم میں سید احمد شہیدؒ کے بعد اگر کسی شخصیت کا نام لیا جاسکتا ہے تو وہ بجا طور پر صرف شیخ الہند محمود حسنؒ ہیں —— جہاں اس تکرار و گردان اور تحقیق و تفتیش نے میدان جہاد، تحریکات، زندان و اسیری کے ایام میں شیخ الہندؒ کی حیات کے تقریباً ہر گوشے کو منظر عام پر لا کر اس باب میں اتباع کی بڑی راہ فراہم کی ہے اور اخلاف کو سلف کے طریق جہاد و سیاست کی ایک محفوظ راہ دکھائی ہے، وہیں اس عمل اور روّیے سے، لاشعوری طور پر ہی سہی لیکن، شیخ الہندؒ کی زندگی کے بہت سے باطنی، احسانی، عرفانی، اخلاقی، سماجی اور تعلیمی پہلو نظر انداز ہو گئے ہیں، یا اس طرح واضح ہو کر منصۂ شہود پر نہیں آسکے کہ ان سے بلا تحقیق و تفحص رہ نمائی لی جاسکے —— اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اگر شیخ الہندؒ کی زندگی کا بہ نظر امعان مطالعہ کیا جائے تو آپ کی شخصیت علم و فضل، درس و تدریس، افتا و تصنیف، مناظرے و وعظ اور سلوک و عرفان میں بھی جہادی اور تحریکی سرگرمیوں ہی کی طرح جامع اور منصب امامت پر فائز نظر آئے گی۔

استحضار الٰہی اور جذبۂ عبودیت: لازمہ احسان:

زیرِ نظر تحریر میں شیخ الہندؒ کے احسانی و عرفانی مقام کا ایک اجمالی جائزہ مقصود ہے۔ احسان

وعرفان سے مراد وہ مواجید واحوال نہیں جنھیں فی زمانہ عرفان واحسان کا لازمہ باور کیا جاتا ہے، اگرچہ وسائل اور ذرائع کے درجے میں ان کی اہمیت سے انکار نہیں، لیکن یہاں احسان سے مراد بندگی کی وہ خاص اور متعین صورت ہے جو انسان کی کل زندگی کا احاطہ کرکے اس میں استحضار خداوندی اور جذبہ عبودیت کو پیدا کردیتی ہے ــــــ یہی عبودیت یا بندگی تمام تر فضائل واحسان کی بنیادی صفت ہے۔ غور کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے القاب میں سب سے بڑا لقب عبدہٗ ہے۔ اور عارفین نے سب سے بڑا مقام عبدیت ہی کا بتلایا ہے۔ امام رازیؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ شب معراج اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کو کون سا لقب ووصف سب سے زیادہ پسند ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: عبدیت ــــــ اسی لیے سورۃ اسراء میں آپ کا یہی پسند کردہ لقب نازل ہوا۔

(ادریس کاندھلویؒ، سیرۃ المصطفیٰ، کراچی: مکتبہ عمر فاروق ۲۰۱۰ء، جلد ا، صفحہ ۲۶۳)

بندگی کا جذبہ اگر ذہن، ارادے اور طبیعت میں راسخ ہوجائے تو زندگی کا ہر میلان، ہر فعل اور ہر تأثر بندگی کی کیفیت سے معمور ہوجاتا ہے اور عبودیت اور استحضارِ الٰہی انسان کا ''حال'' بن جاتی ہے۔ انسان نیت، ارادے، شعور اور عمل ہر سطح پر تفویض اور سپردگی کے مقام پر پہنچ جاتا ہے ـــ اسی استحضارِ الٰہی کے مراقبے اور خوشنودیٔ رب کی جستجو کو عارفین ''اخلاص'' سے تعبیر کرتے ہیں، جس سے انسان کے ذاتی اوصاف میں اگر ایک طرف خاکساری وخود احتسابی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو دوسری جانب اس کے اعمال واحوال میں برکت اور تھوڑے عمل کی بڑی جزا مرتب ہوتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

رب اشعث مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لآبرہٗ.

(مسلم بن الحجاج القشیریؒ، الصحیح المسلم، کتاب البر والصلة، رقم ۱۲۸۱)

''بہت سارے پریشان حال پراگندہ حال، گردوغبار سے اٹے ہوئے بالوں والے ایسے

ہیں جنھیں دروازوں پر دھکیلا جائے، مگر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اعتماد پر اگر وہ قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ان کی قسم کو سچا کر دکھائے۔''

شیخ الہندؒ: ذات اور علم کی عینیت:

شیخ الہندؒ کا درس حدیث ہندوستان میں معروف تھا، چالیس سال تک آپ نے دارالعلوم دیوبند کی مسند تدریس سے قال اللّٰہ وقال الرسول کی صدائے دل نواز لگائی۔ آپ کی زبردست شخصیت کے باعث دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے طلبأ کی تعداد ۲۰۰ تک پہنچ گئی۔ آپ کے زمانے میں ۸۶۰ طلبأ نے حدیث نبوی ﷺ سے فراغت حاصل کی۔ شیخ الہندؒ کے تذکرہ نگار آپ کے درس کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حلقۂ درس دیکھ کر سلف صالحین واکابر محدثین کے حلقۂ حدیث کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا۔ قرآن و حدیث حضرت کو ازبر تھے۔ اور ائمہ اربعہ کے مذاہب زبان پر۔ صحابہؓ و تابعین، فقہا و مجتہدین کے اقوال محفوظ۔ تقریر میں نہ گردن کی رگیں پھولتی تھیں، نہ منہ میں کف آتا تھا، نہ مغلق الفاظ سے تقریر کو ادق اور بھدی بناتے تھے۔ نہایت سبک اور سہل الفاظ با محاورہ اردو میں اس روانی اور تسلسل سے تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا تھا دریا امنڈ رہا ہے۔ یہ کچھ مبالغہ نہیں ہے، اب بھی کئی دیکھنے والے موجود ہوں گے کہ وہی منحنی جسم اور منکسر المزاج، ایک مشت استخوان، ضعیف الجثہ مردِ خدا جو نماز کی صفوں میں ایک معمولی مسکین طالب علم معلوم ہوتا تھا اور بارہا مسجد کے فرش پر بلا کسی بستر کے لیٹا ہوا نظر آتا تھا، مسند درس پر تقریر کے وقت یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک شیرِ خدا ہے، جو قوت و شوکت کے ساتھ حق کا اعلان کر رہا ہے''۔ (عبدالرشید ارشد، بیس بڑے مسلمان، لاہور: مکتبہ رشیدیہ، ۲۰۰۱ء، صفحہ ۲۳۶)

معروف مستشرقہ باربرا مٹکاف (Barbara Metcalf) آپ کی تدریسی خصوصیات کے متعلق لکھتی ہیں:

He was a man of extraordinary energy, teaching ten lessons each day, writing, caring for Muhammad Qasim in his final illness. He was devoted to the school and resisted all invitations to leave it. His fame was especially great in Hadith; and his biographer notes, in the course of his career he taught over a thousand students from such distant places as Kabul, Qandahar, Balkh, Bukhara, Mecca, Medina and Yeman. Among them were Anwar Shah Kashmiri, Shabir Ahmed Osmani and Hafiz Muhammad Ahmad, the Leaders of the third generation of ulama at the school.

(Barbara Metcalf, "The Madrasa at Deoband: A Model for Religious Education in Modern India", *Modern Asian Studies,*12, I, [1978], p. 122.)

حافظے اور استحضار کا یہ عالم تھا کہ ''شیخ الہندؒ نے ایک مرتبہ کتابیں دھوپ میں رکھنے کے لیے باہر نکالیں۔ اتفاق سے میبذی کے کچھ ورق پھٹ گئے۔ حضرت نے ایک طالب علم سے کہا اس کو لکھ لو۔ اس نے کہا کیسے لکھوں میرے پاس وہ کتاب ہی نہیں۔ فرماما، اچھا! سال گزشتہ پڑھی، امسال بھول گئے۔ پھر فرمایا، اچھا لکھو میں بولتا ہوں، چنانچہ زبانی لکھوا دیا''۔

(محمود حسن گنگوہیؒ، ملفوظات فقیہہ الامت، لاہور: مکتبہ مدنیہ ۱۹۹۲ء، جلد ۲، قسط ۷، صفحہ ۹۳)

اس مقام پر یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ حافظے اور استحضار کی لیاقت عارفین کی تصریحات کے مطابق حلال رزق اور نظروں کی حفاظت سے مشروط ہے، جس سے شیخ الہندؒ پوری طرح بہرہ یاب تھے ـــــ علم اور شیخ الہندؒ میں اسی عینیت کو آپ کے شیخ و مربی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ایک مختصر سے فقرے میں سمیٹ کر بیان کر دیا ہے کہ: ''محمود علم کا کھٹلا ہے''۔ (عزیز الرحمٰن بجنوریؒ، تذکرۂ شیخ الہندؒ،

[مرتب: ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری]، کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام، ۲۰۰۷ء، صفحہ ۱۴۳)

علم وفضل کی یہ لیاقت اور درس وتدریس کی اس شان کے باوجود شیخ الہندؒ کی بے نفسی اور فنائیت ایسی تھی کہ خود فرماتے ہیں:

''میں بارہا گنگوہ حاضر ہوا اور جی میں بھی آیا کہ حضرت مولانا (گنگوہیؒ) سے عرض کردوں کہ مجھے بھی حدیث کی سند دے دیجیے، لیکن کبھی اس درخواست کی ہمت نہ پڑی۔ جب اس نیت سے گیا تو یہی خیال ہوا کہ تو یہ تمنا لے کر تو جاتا ہے، لیکن تجھے کچھ آتا جاتا بھی ہے؟ بارہا خیال ہوا کہ عرض کروں کہ سب کو حضرت سند دیتے ہیں، مجھے بھی سند دیجیے، مگر پھر خیال ہوا کہ مولانا پوچھ بیٹھیں کہ تجھے کچھ آتا بھی ہے، جو سند لیتا ہے؟ تو کیا جواب دوں گا؟ اس لیے کبھی درخواست کی ہمت نہ ہوئی''۔

(محمد زکریا سہارن پوریؒ، آپ بیتی، لاہور: مکتبۃ الحرمین، جلد ۲، صفحہ ۶۰)

چلیے تھوڑی دیر کے لیے استاذ اور شیخ کے سامنے، اور وہ بھی مولانا گنگوہیؒ جیسے استاذ و شیخ کے رُو بہ رُو اس خاک ساری کی توجیہہ کی جاسکتی ہے ـــــــ لیکن مولانا محمد شاہ رام پوریؒ تو معاصر تھے۔ ان کے سامنے خاکساری کا اظہار! واقعہ ملاحظہ فرمایئے، یہ وہ ہی شخص کرسکتا ہے جس کا نفس مزکی ہو چکا ہو۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں۔

(جاری ہے)

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع ان شاء اللہ ۲۸ / نومبر ۲۰۱۵ء بروز ہفتہ لوند خوڑ میں منعقد ہوگا۔ روانگی دن ۲ بجے خانقاہ سے ہوگی۔ بیان بعد از نمازِ مغرب ہوگا۔

برائے رابطہ: 03321938443

رزقِ اولیاء کے پوشیدہ اسباب

(شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہ اللہ تعالیٰ)

اللہ والوں میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں کہ وہ عمر بھر پہاڑ کے ایک غار میں رہے۔اس سے باہر نہیں نکلے۔مگران کا رزق انھیں وہیں پہنچتا رہا۔

چنانچہ ایک نیک وصالح شخص فرماتے ہیں کہ ہم چند آدمی جبلِ لبنان میں گئے تاکہ ہمیں کوئی بزرگ مل جائیں۔ لبنان میں ایک پہاڑ ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس میں اولیاءاللہ و ابدال رہتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ ہم اس پہاڑ پر تین روز تک گھومتے رہے۔آخرکار میں تو ایک بلند جگہ پر بیٹھ گیا کیونکہ میری ٹانگ میں کچھ تکلیف تھی۔اور رفقاء گھومتے رہے۔میں نے دون تک اپنے ساتھیوں کا انتظار کیا مگر وہ واپس نہ آئے۔

وہ صالح شخص فرماتے ہیں کہ نیچے ایک جگہ پانی کا چشمہ تھا۔میں نے وہاں جاکر وضو کیا اور نماز میں مصروف ہوگیا۔نماز کے اندر کسی تلاوت کرنے والے شخص کی آواز میرے کان میں پڑی۔ میں نماز سے فارغ ہوکر اس طرف گیا جس طرف سے وہ آواز آئی تھی۔ میں نے وہاں جاکر دیکھا کہ ایک بڑے غار میں ایک نابینا شخص ہیں۔ میں نے السلام علیکم کہا۔انھوں نے سلام کا جواب دے کر مجھ سے پوچھا کہ جنّی ہو یا انسی (یعنی جن ہو یا انسان)؟ میں نے کہا انسی یعنی میں انسان ہوں۔وہ فرمانے لگے۔

لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ ما رأیت ھٰھنا انسیًّا منذ ثلاثینَ سنۃً غیرک.

یعنی انھوں نے کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ الخ پڑھ کر کہا کہ آپ کے بغیر تیس سالوں سے میں نے یہاں پر کوئی انسان نہیں دیکھا۔پھر مجھے کہا کہ آپ تھکے ہوئے ہونگے، آئیں آرام کریں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے غار کے اندر جاکر تین قبریں دیکھیں۔ میں ان قبروں کے پاس سوگیا۔ جب

نمازِ ظہر کا وقت ہوا تو انھوں نے مجھے آواز دی۔الصلاۃ. یرحمک اللہ . ولم أر رجلاً أعرف بأوقات الصلاۃ منہ. یعنی (انھوں نے مجھے آواز دے کر کہا کہ) نماز کا وقت ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کریں۔میں نے ان سے زیادہ اوقاتِ نماز جاننے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔چنانچہ میں نے ان کے ساتھ نماز ادا کی۔نماز کے بعد وہ عصر تک نوافل میں مشغول رہے۔پھر نمازِ عصر ادا کرنے کے بعد انھوں نے یہ دعا فرمائی۔

اللّٰھم أصلح امّۃ محمدٍ. اللّٰھم ارحم امّۃ محمدٍ. اللّٰھم فرِّج عن امّۃ محمدٍ ﷺ.

یعنی اے اللہ! آپ امتِ محمدیہ کی اصلاح فرما دیں۔اے اللہ! آپ امتِ محمدیہ پر رحم کریں۔اے اللہ! آپ امتِ محمدیہ سے مصائب ومشکلات دور فرما دیں۔

پھر ہم نے نمازِ مغرب ادا کی۔نماز کے بعد میں نے پوچھا کہ آپ کو یہ دعا کہاں سے معلوم ہوئی اور کس نے سکھائی؟ انھوں نے فرمایا: لا یحتمل ایمانک ذلک. یعنی آپ اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔پھر فرمایا کہ جو شخص ہر روز اس دعا کو تین مرتبہ پڑھے اللہ تعالیٰ اس شخص کو ابدالوں میں لکھ دیں گے۔روض الریاحین میں علامہ یافعیؒ لکھتے ہیں کہ رئیسِ صوفیاء حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

من قال کلّ یوم "اللّٰھم اغفر لأمّۃِ محمدٍ. اللّٰھم ارحم أمّۃ محمدٍ. اللّٰھم أستر امّۃ محمدٍ. اللّٰھم اجبُر أمّۃ محمدٍ ﷺ" کتِب من الأبرار. قالوا: وھو دعاءُ الخضر علیہ الصلاۃ والسلام.

یعنی جو شخص یہ دعا (اللّٰھم اغفر سے لیکر أمّۃ محمدٍ ﷺ تک) ہر روز پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو نیکو کاروں میں داخل فرما دیں گے۔کہتے ہیں کہ یہ خضر علیہ الصلاۃ والسلام کی دعا ہے۔

بہر حال اس دعا کے بارے میں یہ حوالہ ضمناً میں نے پیش کر دیا۔پھر اس واقعہ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔وہ صالح شخص فرماتے ہیں کہ نمازِ عشاء کے بعد اس نابینا بزرگ نے مجھے کہا کہ کھانا کھائیں گے؟ میں نے کہا جی ہاں۔فرمایا کہ غار کے اندر آپ چلے جائیں وہاں جو کچھ موجود ہو وہ کھا

لیں۔فوجدتُ صخرةً علیها جوز و زبیب و خرنوب و تفاح و تین و حبة الخضراءِ کلُّ واحدٍ من ذالک فی ناحیةٍ. یعنی میں نے (اندر جاکر) وہاں ایک چٹان پر اخروٹ، منقّٰی، خرنوب (ایک خاردار قسم کے درخت کا پھل)، سیب، انجیر اور مختلف قسم کے پھلوں کو موجود پایا۔ان میں سے ہر ایک پھل علیحدہ علیحدہ کونوں میں رکھا ہوا تھا۔

وہ صالح شخص فرماتے ہیں کہ میں جتنا کھا سکتا تھا اتنا کھایا۔وہ نابینا بزرگ ساری رات نہیں سوئے بلکہ ذکر و عبادت میں مشغول رہے۔سحری کے وقت انھوں نے نمازِ وتر اور تہجد ادا کی۔ اس کے بعد انھوں نے بھی ان پھلوں میں سے کچھ کھایا۔ پھر بیٹھ گئے۔ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد وہیں بیٹھے بیٹھے وہ سو گئے تا آنکہ آفتاب دو نیزوں کے بقدر نکلا۔ پھر وہ بزرگ کھڑے ہوئے اور وضوء وغیرہ کیا۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ یہ پھر وغیرہ کہاں سے آتا ہے؟ اتنا لذیذ پھل میں نے کبھی نہیں کھایا۔انھوں نے فرمایا کہ آپ خود اس کا معائنہ کر لیں گے۔

فدخل طائر جناحاه أبیضان و صدره أحمر و رقبه خضراء و فی منقاره حبّةُ زبیبٍ و بین رجلیه جوزة فوضع الزبیبة علی الزبیب والجوزة علی الجوز. یعنی تھوڑی دیر کے بعد ایک پرندہ آیا جس کے پر سفید، سینہ سرخ اور گردن سبز تھی۔ چونچ میں منقّٰی اور پنجوں میں اخروٹ تھے۔اس نے منقّٰی کو منقّٰی کی جگہ پر اور اخروٹ کو اخروٹ کی جگہ پر رکھا۔ وہ نابینا بزرگ فرمانے لگے کہ آپ نے دیکھ لیا؟ میں نے کہا جی ہاں دیکھ لیا۔ پھر فرمایا۔ھٰذا الطائر یأتینی بھذہ الفاکھةِ منذُ ثلاثین سنةً. یعنی یہ پرندہ میرے پاس یہ مختلف قسم کے پھل اور میوہ جات تیس سال سے لا رہا ہے۔ میں نے کہا کہ دن میں کتنی بار یہ پرندہ پھل لے کر آتا ہے؟ فرمایا سات بار۔فرماتے ہیں میں نے اس دن شمار کیا تو پندرہ مرتبہ آیا۔ میں نے ان بزرگ کو یہ بات بتائی تو فرمایا۔ قد زادک مرّةً اجعلنا فی حل. یعنی معاف کیجئے، آپ کی وجہ سے اس پرندے نے فی کس مقررہ سات چکروں پر ایک چکر زیادہ لگایا۔

وہ نابینا بزرگ چھلکوں سے بنی ہوئی قمیص پہنے ہوئے تھے جو شجرۂ موز (کیلے) کے چھلکوں

سے مشابہ تھی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ یہ کہاں سے لیتے ہیں؟ فرمایا۔ یأتینی ھذا الطائر فی کلّ یوم عاشوراء بعشر قِطعٍ من ھذا اللحاء فأصنعُ منه قمیصاً و مِئزراً. و کانت عندہ مِسَلّة یخیط بھا اللحاء. یعنی ہر سال عاشورے (۱۰ محرم) کے دن یہ پرندہ میرے پاس اس نوع کے دس چھلکے لے آتا ہے جن سے میں قمیص اور تہہ بند سی لیتا ہوں۔ ان کے پاس ایک بڑا سُوا تھا جس سے وہ ان چھلکوں کو سی لیا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ انھوں نے پرانے پھٹے ہوئے چھلکے بچھونے کے طور پر اپنے نیچے بچھائے ہوئے تھے۔ و رأیتُ عندہ حجراً یصبّ علیه الماء ثم یأخذ الماء الذی ینزل منه فیمسح به الشعر الذی ینبت علیه فیحلقه. یعنی میں نے ان نابینا بزرگ کے پاس ایک پتھر دیکھا جس پر وہ پانی ڈال دیتے۔ پھر پتھر سے مس ہونے والے پانی کو لے کر ان بالوں کو تر کر دیتے جن کو مونڈنا مقصود ہوتا۔ اس عمل میں وہ بال گر جاتے تھے۔

فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ان نابینا بزرگ کے پاس سات اشخاص آئے جن کی آنکھیں سرخ تھیں اور اوپر نیچے پھٹی ہوئی تھیں۔ ان کا لباس ان کے بال تھے۔ بزرگ نے فارسی میں مجھے کہا کہ آپ خوف نہ کریں یہ مسلمان جنّی ہیں یعنی مسلمان جن ہیں۔ پھر ان جنّوں میں سے ایک جن نے سورۃ طٰہٰ، دوسرے نے سورۃ فرقان ان نابینا بزرگ کو سنائی اور ایک نے سورۃ رحمٰن کی چند آیات سیکھیں۔ پھر وہ چلے گئے۔ معلوم ہوا کہ جن علم حاصل کرنے اور سیکھنے کے لئے آئے تھے۔

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان بزرگ نے سجدے میں یہ دعا فرمائی۔

اللّٰھم امنُن علیّ باقبالی علیک و اصغائی الیک و انصاتی لک و الفَھمِ عنک و البصیرۃِ فی امرِک و النّفاذِ فی خدمتِک و حُسنِ الأدَبِ فی معاملتِک. و رفع صوته.

اے اللہ! مجھ پر یہ احسان فرمائیں کہ میں ہمیشہ کے لئے آپ کی طرف متوجہ رہوں۔ آپ کے احکام گوشِ ہوش سے سنوں۔ آپ کا ہر حکم بے چون و چراں خاموشی سے تسلیم کروں۔ آپ کے احکام کا فہم اور آپ کے معاملاتِ بندگی کی بصیرت نصیب ہو۔ آپ کی عبادت میں زندگی گزرے اور آپ

کے ساتھ معاملات میں حسنِ ادب حاصل ہو جائے۔ یہ دعا اس نابینا بزرگ نے بلند آواز سے مانگی۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے یہ پیاری اور جامع دعا کہاں سے حاصل کی؟ فرمایا کہ مجھے اس کا الہام ہوا۔ اور فرمایا میں نے ایک رات یہ دعا پڑھی تو ہاتف نے آواز دی أذا دعوت بهٰذا الدعاءِ ففخّم فانّه مستجاب. یعنی (ہاتف نے کہا کہ) جب آپ یہ دعا پڑھیں تو بلند آواز سے اور تعظیم سے پڑھا کریں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے۔

وہ مردِ صالح فرماتے ہیں کہ میں چوبیس دن اس نابینا بزرگ کے پاس ٹھہرا۔ پھر انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ یہاں تک یعنی میرے پاس کیسے پہنچے؟ میں نے انھیں سارا قصہ سنایا اور کہا کہ میں ساتھیوں کے انتظار میں تھا مگر وہ نہیں آئے۔ فرمانے لگے کہ اگر مجھے پہلے اس بات کا علم ہوتا تو میں اتنی مدت آپ کو اپنے پاس نہ ٹھہراتا کیونکہ آپ کے رفقاء آپ کی وجہ سے بڑے متفکر ہوں گے۔ اب اگر آپ زیادہ ٹھہریں گے تو وہ مزید پریشان ہوں گے۔ لہٰذا آپ کے لئے زیادہ ٹھہرنا مناسب نہیں بلکہ واپس جانا ہی بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے راستے کا علم نہیں ہے۔ انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر زوال کے وقت فرمایا اٹھیں، جانے کی تیاری کریں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ مجھے کوئی وصیت فرما دیں۔ انھوں نے فرمایا۔

علیک بالجوعِ والأدبِ فانّی أرجولک أن تلحق بالقوم.

یعنی (یہ وصیت فرمائی کہ) آپ دو باتوں پر عمل کریں، ایک بھوک اختیار کریں اور شکم سیری سے پرہیز کریں اور دوسرا یہ کہ ادب ملحوظ رکھیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ بزرگوں کے مقام کو پالیں گے۔

کسی شاعر نے ادب کے بارے میں کیا خوب کہا ہے۔

ادب گاهیست زیرِ آسماں از عرش نازك تر

نفس گم کرده مے آید جنید و بایزید ایں جا

یعنی ادب ایک مقام ہے آسمان کے نیچے جو کہ عرش سے نازک تر ہے۔ اس نازک مقام

میں بڑے بڑے اولیاء اللہ مثل جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ و بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ حیران و سرگرداں وترساں آتے ہیں۔اسی طرح ایک اور شاعر کہتا ہے۔

ادب تاج است از لوحِ الٰھی

بنه بر سر برو هر جا که خواهی

یعنی ادب ایک تاج ہے لوحِ ربانی سے۔ یہ تاج سر پر رکھئے اور پھر جہاں جانے کو جی چاہے جایئے۔کامیابی پاؤ گے۔

بہر حال اس نابینا بزرگ نے وصیت کرنے کے بعد فرمایا کہ میں آپ کو ایک بزرگ کے لئے بطور امانت ایک ہدیہ یعنی تحفہ بھی دینا چاہتا ہوں، یہ تحفہ اس بزرگ کو میری طرف سے پہنچا دیں۔ وہ یہ کہ خانہ کعبہ کی زیارت کے بعد زمزم کے کنویں اور مقامِ ابراہیمی کے درمیان آپ کو ایک شخص ملے گا،اس سے ملاقات کر کے میرا اسلام اسے پہنچا دینا (سلام ایک تحفہ ہے جو ایک دوسرے کو پہنچایا اور بھیجا جاتا ہے)۔اس شخص کے کچھ خصوصی احوال بھی انھوں نے مجھے بتائے اور یہ بھی فرمایا کہ اس شخص سے اپنے لئے دعا بھی کروانا۔

پھر وہ نابینا بزرگ غار سے نکلے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔میں نے دیکھا کہ غار کے دروازے پر ایک درندہ کھڑا ہے۔انھوں نے اس درندے سے کچھ کلام کیا جو میں نہ سمجھ سکا۔پھر مجھے فرمایا کہ آپ اس درندے کے پیچھے چلے جائیں۔ جہاں یہ درندہ رک جائے وہاں پر دئیں یا بائیں جانب آپ کو راستہ مل جائے گا۔ چنانچہ وہ درندہ ایک گھنٹہ تک میرے آگے چلتا رہا اور میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا، پھر وہ کھڑا ہو گیا۔میں نے دائیں طرف عقبۂ دمشق کو پایا۔ یہ مشہور شہر ہے۔ میں جامع مسجد میں گیا۔ وہیں میرے رفقاء بھی موجود تھے۔ان سے ملاقات ہوئی۔ میں نے انہیں ان نابینا بزرگ کا سارا قصہ سنایا۔فرماتے ہیں کہ ہم سب پھر اس پہاڑ کی طرف نکلے نابینا بزرگ کی زیارت کے لئے۔ ہمارے ساتھ بیشمار لوگ تھے۔ہم اسی پہاڑ میں اسی جگہ پر پہنچے جہاں وہ بزرگ

ملے تھے۔ مسلسل تین دن تک ہم اس غار کو تلاش کرتے رہے لیکن اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی خصوصی کرامت تھی جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر منکشف فرمائی تھی اور ہم سے پوشیدہ رکھی۔

وہ مردِ صالح فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں ہر سال حج کیلئے جاتا رہا اور اس شخص کو تلاش کرتا رہا جس کے بارے میں مجھے ان نابینا بزرگ نے فرمایا تھا کہ اس سے ملاقات کر کے دعا کروانا لیکن اس شخص سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اس واقعہ کے پورے آٹھ سال بعد ان علامات (جو علامات ان نابینا بزرگ نے بیان فرمائی تھیں) والے ایک شخص مجھے زمزم و مقامِ ابراہیمی کے درمیان نمازِ عصر کے بعد ملے۔ میں نے السلام علیکم کہا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے ان سے دعا کی درخواست کی۔ انھوں نے میرے لئے دعا کی۔ پھر میں نے عرض کیا کہ ابراہیم کرمانی (غار والے نابینا بزرگ) آپ کو سلام کہتے تھے۔ فرمانے لگے کہ آپ نے انھیں کہاں دیکھا ہے؟ میں نے کہا کہ جبلِ لبنان (لبنان کے ایک پہاڑ) میں۔ انھوں نے فرمایا رحمۃ اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا وہ انتقال کر گئے ہیں؟ فرمایا: ہاں، ابھی ابھی میں ان کی نمازِ جنازہ پڑھ کر انھیں ان بھائیوں کے پاس دفنا کر آیا ہوں جن کی قبریں آپ نے غار میں دیکھی تھیں۔

پھر فرمانے لگے کہ جس وقت ہم انھیں غسل دے رہے تھے اذا بالطائر الذی کان یاتیه بقوته قد سقط. فلم یزل یضرب بجناحیه حتی مات. فدفنّاه عند رجلیه. یعنی اچانک وہ پرندہ جو ہمیشہ ان کے لئے پھل وغیرہ کھانے کی چیزیں لایا کرتا تھا ہمارے پاس گر پڑا اور تڑپ تڑپ کر اس نے بھی جان دیدی۔ ہم نے اس پرندے کو بھی اس بزرگ کے پاؤں کے قریب دفنا دیا۔

ان غار والے نابینا بزرگ کی موت کا قصہ بیان کرنے کے بعد پھر وہ بزرگ (یعنی زمزم اور مقام ابراہیمی کے درمیان ملنے والے بزرگ) اٹھ کھڑے ہوئے اور طواف میں مصروف ہو گئے اور غائب ہو گئے۔ وہ مردِ صالح فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے انھیں نہیں دیکھا۔

ایک ملاقات اور لال مسجد کے حالات

(انجینئر ارشد صاحب)

عاجز کی مورخہ ۱۳ ستمبر ۲۰۱۵ء کو حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے پوچھا کہ تمہاری رہائش کہاں ہے۔ میں نے بتایا کہ لال مسجد محلّہ میں ہے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ غازی عبدالرشید شہید اور مولانا عبدالعزیز صاحب جذباتی شخصیات تھے، مجھے بھی انھوں نے خط لکھا تھا کہ اپنی ساری طاقت مجتمع کر کے اسلام آباد ہماری مدد کے لئے آجائیں تاکہ ہم یہاں کے فسق و فجور کا مقابلہ کریں۔ میں نے ان کو جواب دیا کہ آپ حضرات سات ہزار بچیوں کا مدرسہ چلا رہے ہیں، دس سال تک جم کر یہ کام کریں تو معاشرے کو ستر ہزار اسلامی تعلیم کے زیور سے آراستہ مائیں مل جائیں گی جو کہ عظیم انقلاب ہوگا۔ ہاتھ کے زور سے جو نہی عن المنکر آپ کرنا چاہتے ہیں وہ آپ کے ذِمے نہیں، اس کے لئے قوم نے دینی سیاسی پارٹیوں جمعیت علما اسلام، جماعت اسلامی و دیگر کو چندہ دیا ہوا ہے، یہ نہی عن المنکر ان کے ذِمے ہے۔ مزید یہ کہ دونوں پارٹیاں پرویز مشرف کی منظورِ نظر ہیں اور متحدہ مجلسِ عمل کی شکل میں حکومت کا حصہ ہیں۔ یہ خط میں نے اس لئے نہ بھیجا کہ پتہ چلا کہ مولانا عبدالعزیز صاحب حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب کے مرید ہیں اور وہ بھی انہیں سمجھا چکے ہیں۔

میں نے جواباً حضرت ڈاکٹر فدا صاحب کے سامنے یہ بات عرض کی کہ آپ اور تقی عثمانی صاحب یہ مفید مشورہ اس لئے دے رہے تھے کہ لال مسجد کے قریب اسلام آباد کے زمینی حالات آپ کے سامنے نہیں تھے۔ اگر وہ حالات آپ کے سامنے ہوتے تو آپ کا ایمان بھی اس کا تقاضا کرتا کہ اس قسم کا جنون آپ پر طاری ہو، یا آپ ایمان کے کمزور ترین درجہ اضعف الایمان کے زمرے میں شامل ہو کر سر جھکا لیتے۔ چنانچہ میں نے اس موضوع پر مندرجہ ذیل لب کشائی کی۔ ڈاکٹر

صاحب مدظلہ نے فوراً اس کو تحریر کرنے کا حکم دیا۔

اسلام آباد کے حالات

۱۔ شہر اسلام آباد کے حالات: لال مسجد و جامعہ حفصہؓ کی شہادت سے پہلے اور بعد:

بندۂ ناچیز سولہ سال سے اسلام آباد میں ایک ادارہ میں کام کر رہا ہے جو کہ لال مسجد کے گردونواح میں واقع ہے۔ اکثر و بیشتر جمعہ کی نماز لال مسجد میں پڑھتے تھے۔

پرویز مشرف کی حکومت شروع ہو چکی تھی۔ آپ کو تو معلوم ہی ہوگا کہ لال مسجد، جامعہ حفصہؓ، جامعہ فریدیہ اور جامعہ محمدیہ اسلامی تعلیم کے بڑے ادارے ہیں اور تقریباً گورنمنٹ کے ریڈزون میں واقع ہیں۔ لال مسجد کے امیر مولانا غازی عبدالرشید شہید اور مولانا عبدالعزیز صاحب کی اسلام آباد کے سیکٹرز پر گہری نظر تھی۔ تمام مساجد کا آپس میں تعلق تھا۔ جو سرگرمیاں ان سیکٹرز میں ہو رہی تھیں انکی اطلاع ہوتی تھی۔ غازی عبدالرشید صاحب اور مولانا عبدالعزیز صاحب انتظامیہ کو میڈیا کے ذریعے اور جمعہ کے خطاب کے ذریعے اس کی نشاندہی کرتے رہتے تھے۔

پرویز مشرف ایک عیاش اور بدقماش صدر تھا۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ اس نے مدارس کے خلاف کام شروع کیا اور پلان یہ بنایا کہ ان مدارس کو دارالحکومت سے باہر نکال دے خصوصاً جامعہ حفصہؓ، جامعہ محمدیہ اور جامعہ فریدیہ کو۔

۲۔ یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ اس نے بے راہ روی، فحاشی، گانے بجانے کو سراہا اور کھلی چھوٹ دی بلکہ ترقی دی۔ نیز انتظامیہ کو عورتوں اور مردوں کے مخلوط اڈوں پر چھاپے مارنے سے روک دیا گیا۔

جب حکومت کی طرف سے بہت نرمی ہوئی تو حالات یکسر بدل گئے۔ اسلام آباد کے ہر ایک سیکٹر میں چائینیز مساج سینٹر کھل گئے، رہائشی علاقوں میں کمرشل کام شروع ہو گیا، خصوصاً جی سیکٹرز میں گیسٹ ہاؤسز کھل گئے۔

مساج سینٹر کی آڑ میں بے راہ روی، فحاشی، بدکاری (Prostitution) اور گیسٹ ہاؤس

کی صورت میں نائٹ کلب اور Prostitution عروج پر چلے گئے۔ مارکیٹ میں CDs کی شاپ پر، نیٹ کیفے اور کیبل آپریٹر کے چینلز پر اخلاق سے گری ہوئی فلموں کا عروج ہو گیا۔

قومی اسمبلی کے ممبروں اور بیوروکریٹس کیلئے آنٹی شمیم جیسی انٹرنیشنل سپلائرز جی سیکٹرز میں کام کر رہی تھیں۔ جو جتنا بے حیائی کو ترقی دیتا (Promote) کرتا اتنی ہی اس کو پذیرائی ملتی۔ وسطی ایشیاء کی لڑکیوں کی اسلام آباد میں آمد اور اسلام آباد کے مختلف علاقوں میں ان کے اڈے، یہ سب انتظامیہ کی نظر کے سامنے تھا اور اس دور میں انتظامیہ نے کسی کو نہیں چھوا۔ مرکز اور صوبوں میں 'ق' لیگ، جمعیت علما اسلام اور جماعت اسلامی کی حکومتیں تھیں۔

یہ سب کچھ عام شریف آدمی بھی دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا مگر زبان خاموش تھی۔ دوسری طرف غازی عبدالرشید شہید اور مولانا عبدالعزیز صاحب جیسے غیرت منداور ایمان کی دولت سے لبریز انسان بھی دیکھ رہے تھے۔ جمعہ کے خطبہ میں ان کا انتظامیہ کو نشاندہی کرنا اور انتظامیہ کا ٹس سے مس نہ ہونا اور تھانوں میں رپورٹ لکھوانا، مگر سب بے سود ہونا سب کے سامنے تھا۔ یہ وبال بڑی تیزی سے دوسرے شہروں میں پھیلنے لگا۔ قریب ہی ایک شہر کے بارے میں بتایا گیا کہ کچھ لوگوں نے گاڑیاں رینٹ پر لانے کی طرح عورتوں کا کاروبار شروع کیا ہوا ہے۔ لاکھوں روپے کمائے جا رہے ہیں جبکہ انتظامیہ بھی ساتھ شامل ہے۔

آخر کار لال مسجد، جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ کے غازی عبدالرشید شہید اور مولانا عبدالعزیز صاحب نے ان سب چیزوں کے خلاف زبان کے ساتھ ساتھ ہاتھ سے روکنے کی کوشش شروع کی۔ مقصد یہ تھا کہ شاید لوگوں کو یہ بات باور ہو جائے اور لوگ اس بے حیائی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ آنٹی شمیم کو اس کے اڈے سے اٹھا کر جامعہ حفصہ لے گئے۔ اس کے اپنے رابطے اور تعلق تھے۔ پوری قومی اسمبلی اور انتظامیہ حرکت میں آ گئی۔ غازی عبدالرشید صاحب اور مولانا عبدالعزیز صاحب کو اس کے انجام کا بھی پتہ تھا مگر انجام کی پروا کئے بغیر انھوں نے سر پر کفن باندھ

لیا۔ پرویز مشرف کو یہ بات پسند نہ آئی اور آگے جو ہوا وہ ساری قوم کے سامنے ہے۔

جامعہ حفصہؓ کی طالبات اور جامعہ فریدیہ کے طلبا کی شہادتیں، غازی عبدالرشید صاحب کی شہادت، مولانا عبدالعزیز صاحب کے اکلوتے بیٹے کی شہادت اور مولانا کی والدہ کی شہادت کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو بے حیائی و بے راہ روی زمین کے اوپر آچکی تھی وہ زمین بوس ہو کر دفن ہو گئی۔ سچ کہتے ہیں ؎

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

لہو ہے جو شہید کا وہ قوم کی زکوٰۃ ہے

واہ واہ واہ کیا عجیب بات ہے!

واہ واہ واہ کیا عجیب بات ہے!

اب دارالخلافہ کے حالات یہ ہیں کہ ایک شریف اور عام آدمی کی نشاندہی پر انتظامیہ حرکت میں آجاتی ہے۔ سینکڑوں اڈے بند کر دئے گئے۔ وسطی ایشیا سے آئی ہوئی سینکڑوں لڑکیوں کے ویزے کینسل کئے گئے اور جی سیکٹرز کے اندر چائنیز مساج سینٹر کا نام تک نہیں رہا۔

(صفحہ نمبر ۳۰ سے آگے)

علمی انداز میں ہی جواب دے سکے۔ ایک نوجوان عالم سے اس پر بات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ اعتراضات کا جواب تو ہے لیکن عوام الناس کو جواب سمجھانا آسان نہیں ہے کیونکہ اس بات کو سمجھنے کے لیے بہت سے دیگر فقہی مباحث کو سمجھنا ضروری ہے۔

حضرت والا سے بندہ کی درخواست ہے کہ اگر ان اعتراضات کا کسی اچھے مضبوط عالم سے جواب لکھوا دیں تو بندہ اس کو انگریزی میں ترجمہ کر کے عام کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس سلسلہ میں بندہ کے لیے جو بھی ہدایات ہوں تو حضرت والا ارشاد فرماویں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

قانونِ تحفظِ ناموسِ رسالت : ایک فکر انگیز خط

(محمد عبدالباسط خان، لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز [LUMS]، لاہور)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ حضرت والا بخیر و عافیت ہونگے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور بندہ کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت والا دامت برکاتہم کو صحت و عافیت کے ساتھ رکھیں اور جناب کے فیوض و برکات سے بندہ اور تمام اہلِ ایمان کو وافر حصہ عطا فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

حضرت! بندہ ایک اہم مسئلہ کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہے۔ روزنامہ ڈان میں پچھلے دنوں قسط وار مضامین چھپے ہیں (ابھی ایک قسط باقی ہے)۔ ان مضامین میں پاکستان کے قانونِ ناموسِ رسالت کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ مضمون نگار نے فقہ حنفی کی مشہور کتب کے حوالہ جات کے ساتھ یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ فقہ حنفی کی رُو سے ذمی یا غیر مسلم کو توہینِ رسالت کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ علاوہ ازیں پاکستان کے موجودہ قانون کے مطابق توہینِ رسالت ایک ''ناقابل معافی جرم'' ہے حالانکہ فقہ حنفی میں یہ ایک ''قابل معافی جرم'' ہے۔ مضمون نگار کے مطابق فقہ حنفی کے ان اصولوں کے مطابق اس سزا کو ختم کردینا چاہیئے۔ مضمون نگار اس سلسلہ میں باقائدہ ایک تحریک بھی چلا رہا ہے۔ نیز اس نے لمز (LUMS) میں باقائدہ اس موضوع پر لیکچر بھی دیے ہیں اور لوگ ان صاحب کی باتوں سے بہت متاثر ہو رہے ہیں اور بہت سے لوگ ان مضامین کو اردو میں ترجمہ کروا کر شائع کرنے کی تجویز دے رہے ہیں۔ (بندہ ڈان اخبار کے مضامین بھی حضرت والا کی خدمت میں ارسال کر رہا ہے)

قانونِ ناموسِ رسالت پر اعتراض کا یہ ایک نیا انداز ہے اور شاید زیادہ خطرناک ہے۔ بندہ کو تاحال کوئی ایسا عالم نہیں مل سکا جو ان مضامین میں اُٹھائے گئے اعتراضات کا (باقی صفحہ ۲۹ پر)

نمازیں

(قسط۔۱۰)

(قاضی فضل واحد صاحب)

رسول اللہ ﷺ کی مکہ مکرمہ میں قصر نماز

رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ اور حجۃ الوادع کے موقع پر مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران قصر نماز پڑھی اور مکہ مکرمہ کے مقیم لوگوں کو حکم دیا کہ تم اپنی نماز پوری چار رکعت کرلو۔

قیامِ حجۃ الوداع:

حدیثِ مقدسہ: حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ تک سفر کیا۔ آپ ﷺ سارے سفر میں قصر نماز ہی پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ مکہ مکرمہ کچھ قیام بھی کیا تھا؟ انہوں نے کہا: دس دن مکہ مکرمہ میں ٹھہرے تھے۔ (بخاری شریف، مسلم شریف)

آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں دس دن قیام فرمایا۔

اس کی تفصیل امام نوویؒ اس طرح بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ مکہ معظّمہ اور اس کے گردونواح میں دس دن ٹھہرے، آپ ﷺ چار ذوالحجہ کو مکہ معظّمہ میں تشریف فرما ہوئے اور پانچ، چھے، سات ذوالحجہ مکہ معظّمہ میں رہے۔ آٹھ ذوالحجہ کو منیٰ شریف لے گئے اور نو ذوالحجہ کو عرفات رونق افروز ہوئے۔ دس ذوالحجہ کو واپس منیٰ تشریف لائے اور گیارہ، بارہ ذوالحجہ منیٰ میں قیام فرمایا جبکہ تیرہ ذوالحجہ کو مکہ مکرمہ تشریف لائے اور چودہ ذوالحجہ کو مدینہ کے لئے روانگی ہوئی۔ اس طرح آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ اور اس کے اردگرد دس روز قیام کیا اور قصر نماز پڑھی۔ (حاشیہ مسلم شریف)

مسئلہ: احادیث اور فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مسافر جب تک کسی شہر میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کی نیت نہ کرے وہ قصر نماز ہی پڑھے اور نیتِ اقامت کسی بھی ایک

شہر کے لئے معتبر ہے دوشہروں یا دو دیہاتوں کے لئے مشترک نیت کا اعتبار نہیں کیا گیا۔اس لئے جو حجاج کرام ایامِ حج سے پہلے مکہ مکرمہ میں پندرہ دن قیام کریں اوران دنوں میں وہ زیارتِ مدینہ منورہ کے لئے نہ جائیں بلکہ مکہ مکرمہ ہی میں مقیم رہیں تو وہ دورانِ قیامِ مکہ پوری نماز پڑھیں۔پھر مکہ مکرمہ سے حج کے لئے منیٰ،عرفات کا سفر بھی اقامت ہی میں شمار ہوگا۔لہٰذا منیٰ،عرفات میں بھی وہ نمازیں پوری پڑھیں قصر نہ کریں۔

اگر حج سے پہلے قیامِ مکہ مکرمہ پندرہ دن سے تھوڑا ہو تو وہ مکہ مکرمہ میں بھی مسافر ہیں اور منیٰ،عرفات میں بھی مسافر ہی رہیں گے۔جب کبھی انہیں علیحدہ نماز پڑھنی ہو تو وہ قصر پڑھیں۔

مسئلہ: منیٰ اور عرفات مکہ مکرمہ شہر میں شامل نہیں ہیں۔کیونکہ عرفات تو حدودِ حرم سے بھی باہر ہے۔یقیناً مکہ مکرمہ میں داخل نہیں اور منیٰ میں احتمال پایا جاتا ہے کہ شہر میں داخل ہو۔لیکن ظاہر قول کے مطابق مکہ معظّمہ سے نہیں،اگر یہ کہا جائے کہ مکہ معظّمہ کا نام تو سارے حرم پر بولا جاتا ہے لیکن امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ منیٰ مکہ میں داخل نہیں۔

مسئلہ: درست ہے اقتداء مقیم کی مسافر امام کے پیچھے وقت کے اندر بھی اور وقت کے بعد بھی۔مسافر امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقیم مقتدی جب اپنی دو رکعات پوری کرنے کیلئے کھڑا ہو تو قیام کی حالت میں فاتحہ وغیرہ کچھ بھی نہ پڑھے۔بلکہ فاتحہ پڑھنے کی مقدار خاموش کھڑا رہ کر رکوع وسجدہ کرے۔امام سلام پھیرنے کے بعد نمازیوں سے کہہ دے کہ اپنی نماز پوری کرلو میں مسافر ہوں۔مقیم مقتدی مسافر امام کے ساتھ سجدہ سہو میں بھی شامل نہ ہو۔

مسئلہ: اگر مسافر نے مقیم امام کے ساتھ جماعت میں نماز پڑھی تو امام کی پیروی کی وجہ سے اسے بھی چار رکعات فرض پڑھنی ہوں گی۔اور نیت بھی چار رکعات کی کرے۔

سفر میں سنتیں

حدیثِ مقدسہ: رسول اللہ ﷺ سفر میں بھی صبح کی دو سنتیں پڑھتے تھے۔

حدیثِ مقدسہ: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نوافل میں اتنی نگہداشت کسی پر نہیں کرتے تھے جتنی صبح کی دو سنتوں پر، جو فرض سے پہلے ہیں۔

حدیثِ مقدسہ: رسول اللہ ﷺ نمازِ تہجد سفر اور حضر میں ادا کرتے تھے۔

مسئلہ: بعض تابعین مثل قاسم ابن محمدؒ، عروہ بن زبیرؒ، ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ سفر میں نفل نماز پڑھتے تھے۔

مسئلہ: امام مالکؒ نے فرمایا دن یا رات کو نفل اور سنتیں پڑھنا جائز ہے کیونکہ بعض اہلِ علم حضرات سفر میں سنتیں نفل پڑھتے تھے۔ اگر سفر جاری ہو تو سنتیں نفل چھوڑ دینا جائز ہے۔ اور امن اور قیام کی حالت میں پڑھ لے۔

مسئلہ: مؤکدہ سنتیں حالت اطمینان میں پڑھنی چاہئیں۔ اگر عین سفر میں ہو اور جلدی ہو تو نہ پڑھے۔ لیکن فرض اور وتر ہر حال میں پڑھے۔ (بحوالہ نماز کی مکمل کتاب) سنتوں کے پڑھنے میں کوئی پابندی نہیں ہے۔ اگر موقع ملا تو پڑھ لے ورنہ چھوڑ دے۔ البتہ وتر اور فجر کی سنت کی تاکید حدیث میں زیادہ آئی ہے اسلئے ان کو پڑھ لینا ضروری ہے۔ (بحوالہ اسلامی فقہ جلد ا، صفحہ ۲۹۴، مولانا مجیب اللہ ندویؒ)

جو کوئی شریعت سے مسافر ہو وہ ظہر اور عصر اور عشاء کی فرض نماز دو رکعتیں پڑھے اور سنتوں کا یہ حکم ہے کہ جلدی ہو تو فجر کی سنتوں کے سوا اور سنتیں چھوڑ دینا درست ہے۔ اس کے چھوڑ دینے سے کچھ گناہ نہ ہوگا اور اگر کچھ جلدی نہ ہو نہ اپنے ساتھیوں سے رہ جانے کا ڈر ہو تو نہ چھوڑے اور سنتیں سفر میں پوری پوری پڑھے ان میں کمی نہیں۔ (بہشتی زیور، حصہ دوم، ص ۱۰۹، مولانا اشرف علی تھانویؒ)

کیا مسافر کے لئے بھی جماعت مسنون ھے:

باجماعت نماز ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے اور سفر سے جماعت کا حکم ساقط نہیں ہوتا۔ لہٰذا مسافر کیلئے بھی جماعت مسنون ہے اور بغیر عذر جماعت ترک کر دینا باعث گناہ ہے۔ البتہ اگر جماعت کرنے میں کسی قسم کی پریشانی یا سامان کے چوری ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر ترک جماعت پر گناہ نہ ہوگا۔

سفر میں جماعت چھوڑنا درست نہیں: مسافر کسی مقام پر رکا ہوا ہو اور جماعت میں شریک ہونے

سے کسی قسم کی زحمت لاحق نہ ہو تو جماعت میں شرکت کرنا اس کے لئے بھی سنت مؤکدہ ہے، بلا عذر نہ شرکت پر گنہگار ہوگا۔ اگر جماعت میں شرکت کرنے کی بنا پر اندیشہ ہو کہ احباب کی رفاقت چھوٹ جائیگی یا سواری روانہ ہو جائے گی اور پریشانی کا سامنا ہوگا تو عدم شرکت میں کوئی مضائقہ نہیں۔

جمع بین الصلوٰتین:

حضرت عمرؓ نے اسلامی صوبوں کے ذمہ دار حکام کو ایک گشتی مراسلہ کے ذریعہ متنبہ فرمایا تھا کہ دو نمازوں کو بلا عذر ایک وقت میں جمع کر کے پڑھنا کبیرہ گناہ ہے۔

(مؤطا امام محمد رحمہُ اللہ ص ۱۳۲، سنن بیہقی ص ۱۶۹ جلد ۳)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا ارشاد ہے: بلا عذر دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اسی سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں ظہر کو مؤخر کرتے اور عصر کو مقدم کرتے۔ مغرب کو مؤخر کرتے اور عشاء کو مقدم کرتے۔

(مسند امام احمدؒ جلد ۶ ص ۱۳۵، طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۲، مستدرک حاکم)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی موقوف حدیث ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک سفر میں غروبِ شفق سے قبل سواری سے اترے، مغرب کی نماز پڑھی پھر انتظار کیا، غروبِ شفق کے بعد عشاء کی نماز ادا کی پھر فرمایا: رسول اکرم ﷺ کو جب سفر میں جلدی ہوتی تو آپ ﷺ اسی طرح عمل فرماتے جیسے میں نے کیا ہے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۷۸)

حضرت ابو عثمان نہدیؒ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی موقوف حدیث روایت کرتے ہیں کہ میں اور حضرت سعدؓ کوفہ سے مکہ مکرمہ سفر حج پر جا رہے تھے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ظہر و عصر کو اسی طرح جمع کرتے کہ ظہر کو مؤخر کرتے اور عصر کو مقدم کرتے پھر دونوں کو اکٹھا ادا کرتے، مغرب کو مؤخر کرتے عشاء کو مقدم کرتے، پھر دونوں کو اکٹھا ادا کرتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۴۵۷ جلد ۲ مسند عبدالرزاق صفحہ ۵۴۹، جلد ۲، طحاوی صفحہ ۱۲۳ جلد ۱۔ بحوالہ نماز مدلل مولانا فیض احمد ملتانیؒ)

(جاری ہے)